مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

(۳)

مسلمانوں کے عام ممالک میں پچھلے چند دنوں سے کچھ اس قسم کے خیالات کی حوصلہ افزائیاں جو ہورہی ہیں کہ اسلام کو بھی دنیا کی موجودہ سیاسی تحریکوں کے مقابلہ میں کسی مستقل سیاسی تحریک کے قالب میں ڈھال دیا جائے۔ کچھ اس قسم کے خیالات پکائے جارہے ہیں کہ جن اغراض و مقاصد کو سیاسی تحریکوں کی مدد سے لوگ حاصل کررہے ہیں اسلام کا نام لے کر ان ہی اغراض و مقاصد کے حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے شعوری یا غیر شعوری طور پر مصر و ایران کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی اسی نوعیت کے ولولے دلوں میں چٹکیاں لے رہے ہیں، پیش کرنے والے اپنے احساسات و خیالات کو کچھ ایسے انداز میں پیش کررہے ہیں کہ گویا کسی نئے نقطۂ نظر کا ان کو الہام ہوا ہے،

دو قسطیں میرے مضمون کی "برہان" میں جو شائع ہو چکی ہیں ان کو پڑھ کر بعض ارباب فکر و بصیرت نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ ان ہی معلومات کو "فرقہ بندی کے عنوان" کی جگہ تو کسی اور سرخی کے ساتھ اگر شائع کراتا تو کم از کم اسلام کو سیاسی تحریک بنانے کے خیال کے متعلق اتنا تو بہرحال ثابت ہی ہوجاتا کہ آج جو کچھ سوچا جارہا ہے۔ سوچنے والے صدیوں پہلے اس کو سوچ بھی چکے ہیں اور سوچ کر عمل بھی اس پر کرچکے ہیں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں جو زہر ان کی وجہ سے داخل ہوا آج تک اس کے اثرات کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں ان ہی شکوہ کرنے والے صاحب کا خیال تو یہ ہے کہ سیاسی بازی گروں کے قدیم مفکرین جہاں تک پہنچے تھے اتنی بلندیوں تک تو اس زمانہ کے ارباب فکر بھی نہیں پہنچے ہیں۔ ان پرانے انقلابیوں نے تو جنت دوزخ نماز روزہ والے اسلام کی صرف تحقیر ہی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ منہ زوریوں سے کام لے کر ان سارے

دینی اصطلاحات کو سیاسی فرہنگ میں شریک کرنے کی جرأت تک وہ کر گذرے تھے

جواب میں فقیر اس کے سوا اور کیا عرض کرے کہ اس ٹوٹے پھوٹے مضمون سے اس قسم کے فوائد اگر حاصل ہو سکتے ہیں تو عنوان کچھ بھی ہو دوسے اس کے اب بھی کام لیا جا سکتا ہے اور ان کو اگر اصرار یہی ہے تصریح ہی کنایہ سے تبلیغ کا زیادہ بلیغ پیرایہ ہے۔ تو یوں ہی سمجھ لیجئے کہ ع

ایاک اعنی فاسمعی یا جارہ مضمون کا رخ جدھر وہ چاہتے ہیں پھیر دیتا ہوں

لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید

خیر ان قصوں کو چھوڑیئے عنوان کے مطابق مجھے اپنے مقالہ کو مکمل کرنا ہے اپنے فرض کو ادا کرتا ہوں

مناظر احسن گیلانی

بہرحال سیاسی قصوں، جھگڑوں رگڑوں نے، افتراق و انتشار کے جن شراروں کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں جن لوگوں نے بھڑکا دیا تھا، اس کی اجمالی داستان کے بعد اب آپ کے سامنے اسی مسئلہ کے دوسرے پہلو کو پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ فرقہ بندیوں کا طوفان اسلام کی ابتدائی صدیوں میں کیسے پھوٹ پڑا تھا اور رفتہ رفتہ چڑھنے کے بعد فتنوں کا یہ سمندر اتر کیسے گیا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اسلامی دائرے کے اندر لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے تھے۔ قدرتاً اپنے ساتھ اپنے آبائی رسوم، اور موروثی خیالات و عقائد کو بھی لاتے۔ اور گو انھوں نے اسلام کو قبول ہی اس لئے کیا تھا کہ تاریخی آلودگیوں سے اپنے موروثی ادیان کے پاک کرنے کی قدرتی کارگر شکل دہی ہو سکتی تھی۔ جیسے قرآن نے پیش کیا تھا

بلکہ وہ سچائی لے کر آتے ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوؤں کی وہ تصدیق کرتے ہیں۔ صدق المرسلین

ریب قریب دوسرے الفاظ میں مسلسل اعلانات جو ہو رہے تھے، مطلب سب کا یہی تھا کہ خالقِ کائنات کے سچے نمائندوں کے پیغام کے صادق اجزا اور صحیح عناصر پر تصدیق و توثیق

کی مہر لگانے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی رسالت کا پیغام دے کر اٹھایا گیا ہے اپنے مخاطبوں کو خطاب کر کے مصدق لما معکم (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت یہ ہے کہ تم لوگوں کے پاس جو سچائیاں پہلے سے موجود ہیں ان کی تصدیق کرنے والے ہیں) کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی سورۂ بقرہ کی ابتداء ہی میں منجملہ دوسرے شرائط کے قرآن سے استفادہ کی ایک اہم شرط یہ بتائی گئی ہے کہ

يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ — مانتے ہیں اس کو بھی جو تجھ پر اترا اور اسے بھی جو تم سے پہلے اتارا گیا۔

نیا دھرم، نیا دین نئی بات سمجھ کر بدکنے والے قرآن اور محمدی پیغام سے جو بدکتے اور بھڑکتے تھے ان کو سمجھایا گیا ہے کہ

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ (المؤمنون) — کیا وہ بات کو سوچتے نہیں کیا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے آباء اولین یعنی اگلی پشتوں کے باپ دادا) کے پاس نہ آئی تھی۔

اپنے بزرگوں اور تاریخی پیشواؤں سے بچھڑ جانے کا خطرہ خواہ مخواہ دلوں میں جو پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا ازالہ کر دیا گیا۔ اور بتا دیا گیا کہ لوگ الٹی بات سمجھ رہے ہیں، قرآن کا مقصد تو یہ ہے کہ بچھڑے ہوؤں کو اپنے اگلے باپ دادا کے صحیح دین اور دھرم تک کھینچ کر پہنچا دے وہ توڑنے کے لئے نہیں بلکہ ہر قوم کو ان کے واقعی صالح سلف سے جوڑنے ہی کے لئے نازل ہوا ہے۔ بیعت کرنے والوں سے عہد لیا جاتا تھا کہ

آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ — مانا اللہ کو اللہ کے فرشتوں کو اللہ کی کتابوں کو اللہ کے رسولوں کو

کے ساتھ یہ ذمہ داری بھی قبول کرنی پڑے گی کہ

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ — ہم کسی قسم کی تمیز سے کام نہ لیں گے اللہ کے ان پیغام پہنچانے والوں کے متعلق۔

یعنی سب ہی کو مانیں گے، اور یقین کریں گے، کہ ان میں جس نے بھی پہنچایا اس نے کائنات کے خالق کردگار اور مالک پروردگار ہی کا پیغام پہنچایا، خواہ زمین کے کسی علاقہ میں آیا ہو، اور انسانی نسلوں میں سے جس نسل میں بھی اٹھایا گیا ہو صرف اجمال ہی سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ سارے بنی آدم کو مخاطب بنانے کے لئے خطاب کی ابتدا ر خاص وجوہ و اسباب کی بنیاد پر اس علاقے کے باشندوں سے کی گئی ہے

گذرے ہوئے پیغام بروں میں سے جن بزرگوں کے کام یا کم از کم نام ہی سے اس علاقے کے باشندے مانوس تھے ان کے ناموں کی تصریح کر کر کے بار بار قرآن منادی کر رہا تھا کہ تمام بیرونی آلائشوں سے پاک وصاف کر کے دین اور دھرم کی جو شکل الاسلام کے نام سے تمہارے سامنے پیش ہو رہی ہے یہ وہی دین ہے جس کی وصیت نوحؑ کو ابراہیمؑ کو موسیٰؑ کو عیسیٰؑ کو کی گئی تھی، صحیح انجام تک پہنچنے کی سیدھی راہ انسانیت کے لئے پہلے بھی یہی تھی، اب بھی یہی ہے، آئندہ بھی یہی رہے گی اسی صراط مستقیم (سیدھی راہ) کی طرف بنی آدم کو بلانے والے خواہ کسی زمانہ میں آئے ہوں، کہیں آئے ہوں، سب انسانی برادری ہی میں پیدا ہوئے تھے، ان میں بعضوں کو بعضوں سے جدا کرنا، انسانی نسل کی وحدت کا انکار ہے چند مانوس ناموں کے تذکرہ کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ان کے سوا اور بھی جو دینی پیشوا جہاں کہیں گذرے ہیں

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ	وہ ان ہی کے باپ دادا تھے یا ان ہی کی اولاد میں تھے
وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ	یا ان کے بھائیوں میں تھے، ہم نے ان کو چن لیا اور
مُّسْتَقِيْمٍ (الانعام)	راہ نمائی کی ہم ہی نے ان کی سیدھی راہ کی طرف

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جن کا قصہ بیان کیا گیا اور جن کا نہ بیان کیا گیا مگر انسانیت کو انجام تک پہنچانے والی اس سیدھی راہ (صراط مستقیم) کی طرف جن کی راہ نمائی کی گئی اور انھوں نے اس راہ کی طرف بلایا، کم از کم ان سب میں اخوت اور برادری کا تعلق تھا اسی لئے ان نسلوں

ہ سے اسی علاقے کی زبان عربی میں قرآن نازل ہوا مگر اسی کے ساتھ قرآن ہی میں کہہ دیا گیا ہے کہ عربی وعجمی کے قصوں کو صرف نہ ماننے والے بہانہ بناتے ہیں ورنہ ایمان کی تلاش جن میں ہے ان کے لئے ہر حال میں یہ کتاب ہدایت وشفاء ہے۔ فرمایا گیا ہے عربی وعجمی قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ (حم سجدہ)

والے ہوں یا سامی خانوادہ والے، ایلان کو ٹیرین (ترکی و تاتاری) گوت میں شمار کیا جاتا ہو خواہ ان کی پیدائش عرب میں ہوئی، یا شام میں، مصر میں ہو، یا عراق میں، ہند میں ہو یا سندھ میں، چین میں ہو یا ماچین میں، صراط مستقیم پر یہ سارے چلنے والے اور چلانے والے باہم ایک دوسرے کے بھائی اور اخوان قرآن کے رو سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ بھی تھا کہ گذرے ہوئے پیغمبروں میں سے جب کسی کا نام لیتے، تو عموماً بھائی (اخی) کا لفظ ان کے لئے استعمال فرماتے۔ معراج والی حدیث میں بھی ہے کہ آبائی رشتہ جن ملنے والے پیغمبروں سے آپ کا نہ تھا، وہ آپ کا استقبال "مرحبا بالاخ الصالح" کے الفاظ میں کرتے تھے۔

اسی موقعہ پر سورۃ الانعام میں جہاں انبیاء و رسل علیہم السلام کے درمیان الوہیت و نبوت و اخوت کے رشتوں کا قرآن نے اعلان کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں ہی کو نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مطالبہ کیا گیا ہے کہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ — یہی وہ لوگ ہیں جن کی راہ نمائی اللہ نے کی، بس ان ہی کی ہدایت کی پیروی تو بھی کر

رشتہ داری کے تعلقات میں کبھی گونہ غیریت گوارہ جاتی ہے، اسی غیریت کا خاتمہ "ھدی" کی وحدت و عینیت کا اعلان کر کے کر دیا گیا، اجمال کے ساتھ ساتھ تفصیلی قرائن کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی سنایا جاتا تھا کہ

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (النساء) — خدا چاہتا ہے کہ تم سے پہلے جو گذرے ہیں ان کے طور اور طریقوں کی طرف تمہاری راہ نمائی کرے

زبان سے بھی یہی کہا جاتا تھا عمل کر کے دکھایا جاتا تھا، موسیٰ علیہ السلام کو پیشوا ماننے والوں کو دیکھا گیا کہ عاشورہ کے دن جشن منا رہے ہیں وجہ پوچھی جاتی ہے جواب ملتا ہے کہ اسی دن فرعون سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات ملی تھی سننے کے ساتھ قرآن کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انا احق بموسیٰ منکم (بخاری) — میں حضرت موسیٰ کی خوشی میں شرکت، کا تم سے زیادہ

حق دار ہوں۔

اپنے اباءِ اولین[1] سے نسبتاً جو زیادہ دور نہ ہوئے تھے، مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے عیسائی جن کے پیغمبر نزولِ قرآن سے تقریباً پانسو سال پہلے گذرے تھے یا ان سے چند صدیاں پہلے موسیٰ علیہ السلام تھے جن کو یہود اپنا پیغمبر مانتے تھے، ان مذہبی جماعتوں کے اندر حالانکہ بعض ناقابلِ عفو اعتقادی وعملی کمزوریاں شریک ہو چکی تھیں لیکن باوجود اس کے ان میں ان سچائیوں کی کافی اور معقول مقدار نسبتاً زیادہ محفوظ تھی جو خالقِ کائنات کی طرف سے حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام نے ان تک پہنچائی تھی، قرنِ تاریخ رکھنے والی قوموں کے مقابلہ میں ان عیسائیوں اور یہودیوں کے دین کی تاریخ زیادہ غتر بود نہیں ہوئی تھی جہاں تک میرا خیال ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ قرآن پر ایمان لانے والوں کے لئے ان دونوں دینی امتوں سے ازدواجی رشتہ قایم کرنے کا دروازہ یہ حکم دے کر کھول دیا گیا کہ ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں خواہ اپنے دین کی تصحیح وتطہیر کے لئے قرآنی ہدایات پر ایمان لانے کی سعادت سے یہ کتابیہ عورتیں محروم ہی کیوں نہ ہوں۔

مصلحت اندیشیوں پر اسلامی دین کی بنیاد اگر قایم ہوتی تو رشتہ داری کے اس دروازے کے کھلے رکھنے کی خود سوچنا چاہئے کیا گنجایش پیدا ہو سکتی تھی؟ مسلمانوں کے گھروں میں ان دینی اقوام کی عورتوں کے گھسنے کی اجازت میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ قطعاً غیر مآل اندیشانہ فعل ہوتا اگر اسلام بجائے دین کے صرف سیاسی کاروبار کے انجام دینے کا خدانخواستہ کوئی حیلہ اور بہانہ ہوتا، سیاسی کش مکش ان دینی قوموں سے نزولِ قرآن

---

[1] اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن ہی میں مختلف مواقع پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کو چونکانا مقصود ہے جن کے اباء (باپ دادا) نہ چونکائے گئے یعنی لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ وغیرہ جیسی آیتوں میں صرف اباء کا لفظ ہے مراد قریب کی گذشتہ نسلیں ہیں اور جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارے باپ دادوں کو جو کچھ دیا گیا تھا اس کے جارہا ہے یہاں اباء کے ساتھ اولین کا لفظ ہے نزولِ قرآن کے زمانہ میں عموماً بنی آدم کی تمام نسلیں سے بدترین جہل وعبادت وضلالت کی شکار ہو چکی تھیں یہی وہ نسلیں تھیں جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ جو وہ چونکائے نہ گئے ورنہ تاریخی طور پر ہر قوم کے قدیم اسلاف کے پاس خدا کا پیغام آیا تھا، اور قدیم اسلاف یا اباءِ اولین والے اسی پیغام کو قرآن کے ذریعہ سے تر وتازہ کیا گیا نئی زندگی بخشی گئی ۱۲

بی کے عہد میں شروع ہو چکی تھی، لیکن اس کی پروا کئے بغیر دینی مناسبتوں پر جو اجازت مبنی تھی، اس اجازت میں کسی قسم کی ترمیم پر قرآن آمادہ نہ ہوا۔ کہ اس کے سامنے صرف دین تھا، توثیق و تصحیح اور قدرے تکمیل کے نصب العین کو دنیا کے سارے مذاہب و ادیان کے سامنے قرآن نے جو رکھا تھا، اس نصب العین سے استفادہ کی صلاحیت اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے دین میں چونکہ واقعہ کے لحاظ سے زیادہ پائی جاتی تھی، دوسروں کے لحاظ سے وہ زیادہ قریب تھے اس لئے سیاسی خطرات اور اندیشوں کی پروا کئے بغیر اس قانون کو باقی رکھا گیا اور وہ آج تک باقی ہے، اور یہی ایک دروازہ نہیں کھان پان میں بھی مسلمانوں کو قرآن نے اہل کتاب سے اور اہل کتاب کو مسلمانوں سے قریب رکھنے کی جو کوشش کی ہے وہ بھی اسی نصب العین ہی کا اقتضا ہے۔ بلکہ قرآن جن لوگوں میں نازل ہو رہا تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآنی نصب العین کے سمجھنے کا موقعہ جنہیں ملا تھا، میری مراد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہے عرب سے باہر نکلنے کے بعد ان کے سامنے جب ایسی قومیں آئیں جن کی دینی تاریخ ماضی کے دھندلکوں میں تقریباً غروب ہو چکی تھی کم از کم اہل کتاب کے دین کی تر و تازگی کی کیفیت ان میں باقی نہ رہی تھی، تاہم آثار و قرائن بتاتے تھے کہ آسمانی سچائیوں سے وہ بھی مانوس ہیں، تو جس حد تک تاریخی نشانات اور آثار کا اقتضاء تھا یا ہو سکتا تھا۔

صحابہ کرام نے تاریخ کی ان شہادتوں سے لاپروائی نہیں برتی ایران کے مجوسیوں کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت کو منقح کرتے ہوئے ان ہی تاریخی آثار کا حوالہ دیا، فرمایا گیا تھا کہ ان کے پاس بھی صحیح دین اور آسمانی کتاب تھی، دست برد زمانہ نے گو ان کی دینی زندگی میں بیرونی آلائشوں کو شریک کر دیا ہے، لیکن ان کا حال ان جنگلی قوموں کا نہیں ہے، جو جنگلوں میں حیوانوں کی زندگی

لہ یہ سوچنے کی بات ہے کہ قرآن کو خدا کا حکم جو مان چکے تھے یعنی مسلمان ان کو تو قرآن اپنے حکم کا مکلف بنا سکتا تھا لیکن کھان پان کے مذکورہ بالا قانون کے الفاظ ہیں "طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لهم (یعنی جنہیں کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے) اس میں دوسرا جز (یعنی مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب کے لئے حلال ہے) یہی غور طلب ہے قرآن کو اہل کتاب اللہ کی کتاب ہی جب نہیں مانتے تو ان کو مکلف بنانے کی غرض کیا ہو سکتی ہے بجملہ دوسرے وجوہ کے میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ مسلمانوں کو جیسے قرآن اہل کتاب سے قریب کرنا چاہتا ہے اسی طرح اہل کتاب کو بھی مسلمانوں سے قریب کرنے کے لئے یہی پیرایہ تعبیر اس نے اختیار کیا ہے واللہ اعلم بالصواب

بسر کرتے ہیں اور کسی قسم کے آئین و دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے[1]،

کچھ بھی ہو قدرِ مشترک کے طور پر اتنی بات بہرحال سمجھ میں آتی ہے کہ قرب و بعد، یا نزدیکی و دوری کا تعلق خونی رشتوں سے وابستہ کرنے کا جو عام رواج ہے اس کے مقابلہ میں دینی اور مذہبی قوموں کے ساتھ اسلام نے رشتہ کا معیار بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجائے خون وغیرہ کے ہر قوم کے دین کی تاریخی نوعیت کو ٹھہرایا ہے جن کے دین کی تاریخ نسبتاً فرسودگی، دکھنگی کے عوارض سے جتنی زیادہ پاک ہے ان سے اسی حد تک مسلمانوں کو قرآن نے قریب رہنے کا نقطۂ نظر پیش کیا اور سیاسی یا معاشرتی، کلچری وغیرہ اغراض کے لحاظ سے نتائج کچھ بھی ہوں، لیکن قوموں کو اپنے اپنے آبائی ادیان اور دھرموں کی تطہیر و تزکیہ کے مواقع اس رشتہ سے چونکہ فراہم ہو سکتے ہیں اس لئے بین الاقوامی تعلقات میں رشتہ ناطے کے اس

---

[1] تفصیل کے لئے مطولات کا مطالعہ کرنا چاہئے، مجوس ہی نہیں بلکہ عام فقہاءِ اسلام نے اس کا حق کہ آئینی معاہدہ کرکے اسلامی حکومت کی حفاظت کے دائرے میں شریک ہونے کے لئے اور اس معاہدے کے بعد اسلامی حکومت ان کی جان اور مال عزت و آبرو کی ذمہ دار بن جاتی ہے تقریباً اس رعایت میں ان ساری قوموں کو داخل کر لیا ہے جو اپنے پاس مجوسیوں اور ایرانیوں کی طرح کسی نہ کسی قسم کی دینی تاریخ رکھتی تھیں اور گو جمہور فقہا اس فیصلہ میں ابن حزم کے مخالف ہیں۔ لیکن اس شخص نے تو مجوس کے متعلق ان سارے حقوق کا دعویٰ کیا ہے، جو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو اسلامی دین میں حاصل ہیں دوسرے دلائل کے ساتھ اپنی تائید میں بعض صحابہ کے طرزِ عمل کو بھی ابن حزم نے پیش کیا ہے لکھا ہے کہ مشہور صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی جن کا نام "ساروخت" تھا اور حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کانت امرءۃ حذیفہ مجوسیۃ محلی ج ۷ ص ۴۶۹

اور مشہور قرآنی آیت یعنی انی جاعلک للناس اماما (میں تم کو سارے انسانوں کا پیشوا بناؤں گا) اس کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو کیا گیا تھا شاید اسی وجہ سے بعض علماءِ اسلام مثلاً عبدالکریم جنبلی وغیرہ ہندوستان کے برہمنوں کو سمجھتے ہیں کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے نام کی طرف نسبت ہے اور ہندی برہما ابراہیم کے [illegible] ہے اسی طرح شہرستانی نے ایران والوں کے متعلق لکھا ہے کہ کانت ملوک العجم کلھا علیھم ج ۲ ص ۵۷ ملل و نحل

[illegible] نے سلاطین ابراہیمی ملت پر تھے لکھا ہے کہ الناس علی دین ملوکھم کے عام قاعدہ کے رو سے ایران کے باشندوں کی عمومیت کے متعلق یہی سمجھنا چاہئے کہ ان کے دین کا تعلق بھی ابراہیم علیہ السلام ہی سے تھا۔

عجیب و غریب باب کو اسلام نے کھول دیا۔ عہدِ صحابہ ہی سے اس پر عمل درآمد شروع ہوا اور بعد کو بھی کھلا ہی رہا۔

اس راہ میں عملی شہادتوں کا جو ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے عہد نبوت میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ، کے ساتھ مسلمانوں کے میل جول کے جن واقعات کا سراغ دوسری روایتوں کے ضمن میں جو ملتا ہے، خود دربارِ رسالت میں ان دینی قوموں کے افراد کی آمد و رفت، سوال و جواب، بات چیت، ظرافت و طیبت کے جن قصوں کا صحابہ تذکرہ کیا کرتے تھے یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان کے یاں جس بے تکلفی کے ساتھ آتے جاتے تھے اگر ان سارے واقعات کو اور ان کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طرزِ عمل کو کوئی جمع کرنا چاہے۔ تو ایک اچھی خاصی کتاب ہی اس مواد سے بن سکتی ہے

اب لوگوں کو کیا کہئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک روایت جو نقل کی جاتی ہے کہ تورات کا کوئی حصہ ان کے ہاتھ میں تھا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ

اخذ تھا من اخ لی من بنی زریق — بنی زریق (یہودی خاندان) سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک بھائی سے مجھے یہ ٹکڑا تورات کا ملا ہے

(جمع الفوائد ص۱۸)

کہتے ہیں کہ جس خاص طریقہ سے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر رہے تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث گرانی ہوا تھا جس کی معافی بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت چاہ لی تھی۔ عام طور پر لوگوں نے اس روایت کو تو مشہور کر دیا عموماً اس کا چرچا بھی کرتے ہیں، حالانکہ سنداً جیسا کہ خود جمع الفوائد کے مصنف نے بھی آخر میں تنبیہ کی ہے کہ سند میں اس روایت کے ابوعامر القاسم بن محمد الاسدی راوی ہے جس کے متعلق کچھ نہیں معلوم کہ کون ہے اور اس کی روایت کس حد تک قابل بھروسہ ہو سکتی ہے علاوہ اس کے کون کہہ سکتا ہے ناگواری کا سبب کیا تھا۔ ایسی کتاب جس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہو۔ کہ "فیہ ھدی و نور" (اس میں راہ یابی اور روشنی ہے)، اس کتاب کا کوئی حصہ تو قطعاً باعث ناگواری نہیں ہو سکتا، یہ خیال کہ بنی زریق کے اس آدمی کو جس سے تورات کا یہ حصہ حضرت عمرؓ

کو ملا تھا اس کو بھائی کہنے کی وجہ سے برہمی کی صورت پیش آئی نا قابل توجہ ہے، قرآن ہی نے "دینی اخوت" کا دروازہ کتابیوں اور مسلمانوں کے درمیان کھولا تھا، وہی برہمی کی وجہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں! روایت میں حقیقت کا کچھ حصہ بھی اگر مان لیا جائے کہ شریک ہے، تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاں مسلمانوں اور دنیا کی دوسری دینی قوموں کے درمیان ان کے دین کے خصوصی حالات کی بنیاد پر اسلام "دینی رشتہ" اور اخوت کا تعلق قائم کرنا چاہتا ہے وہیں پوری قوت کے ساتھ تطہیر و تزکیہ کے اصلاحی نصب العین کو چاہتا ہے کہ نگاہوں سے ہٹنے نہ پائے کیونکہ اسکے بعد تو نزولِ قرآن اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، بیرونی اور من مانی آلائشوں سے ادیان و مذاہب کو پاک کرنا اور اپنے اپنے ابا و اولین کی صحیح تعلیم تک واپسی کا موقعہ ہر قوم کے لئے فراہم کرنا یہی تو قرآن کے نزول کا سب سے بڑا مقصد ہے ہلکی سی لاپروائی اور اس جوہری نصب العین سے معمولی بے توجہی بھی فاحش اغلاط کی بقا، کی ضمانت بن سکتی ہے۔

اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، ضرورت تھی کہ ہلکے سے ہلکے خطرے کا شروع ہی میں انسداد کر دیا جاتے، کون کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کی تہ میں کچھ اس قسم کے اسباب پوشیدہ نہ تھے، آخر ایک طرف جہاں اس روایت کا چرچا کیا جاتا ہے، وہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں اس کا اطمینان تھا کہ پڑھنے والے کے سامنے سے تطہیر و تزکیہ کا نقطۂ نظر کسی حال میں اوجھل نہ ہوگا، وہاں یہی نہیں کہ منع نہیں کیا گیا بلکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ عرض کرنے پر کہ میں نے تورات بھی پڑھی ہے اور قرآن بھی؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے یہ حکم دیا کہ

اقرء ھذا اللیلۃ وھذا اللیلۃ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی) ایک رات یہ پڑھو اور ایک رات وہ

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں بھی ارباب ذوق تطہیری نقطۂ نظر رکھتے ہوئے اس ارشاد نبوی سے فائدہ اٹھاتے رہے، صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص طور پر اس باب میں شہرت حاصل تھی[1] ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے یہ ہیں ابو الجلد الجونی ایک ثقہ بزرگ تھے جو ایک ہفتہ قرآن کی تلاوت میں اور چھ دن تورات کے مطالعہ

[1] اصابہ وغیرہ میں تفصیلات دیکھئے

میں گذارتے دونوں کتابوں کو ختم کر کے دعا کی مجلس منعقد کرتے۔ کہتے کہ خدا کی رحمت کے نزول کے یہ خاص اوقات ہیں[1]

حقیقت تو یہ ہے کہ قوموں کے موروثی ادیان کے ساتھ قرآن نے مسلمانوں کا جو تاریخی رشتہ قایم کر دیا ہے اس رشتہ کے اقتضاؤں کی تکمیل اس طریقہ سے کرنا کہ تطہیر و تزکیہ کے مذکورہ بالا نصب العین سے بھی آنکھ جھپکنے نہ پائے، اگر سوچا جائے تو غیر معمولی نازک ترین ذمہ داری اس کی وجہ سے مسلمانوں کے سر عائد ہو گئی ہے بجائے اس کے یہ کہیں زیادہ آسان تھا کہ ایک قطعاً جدید، انوکھے، نئے پیغام کی شکل میں اسلام کو دنیا کے عام مذاہب و ادیان کے مقابلہ میں پیش کر دیا جاتا، خصوصاً ایسی آیتیں مثلاً

لَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (آل عمران)

ہرگز تم سے نہ یہودی راضی ہو سکتے ہیں اور نہ نصاریٰ جب تک ان کی ملت کے تم پیرو نہ بن جاؤ۔

سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان دینی قوموں سے قرآن خواہ جتنا ہی قریب کرنا چاہتا ہو لیکن مسلمانوں سے قریب ہونے پر دنیا کی یہ قومیں آمادہ نہ تھیں قریب ہونا کیا معنے بلکہ قرآن ہی صاف صاف کھلے لفظوں میں اس حقیقت کو بھی واشگاف کر رہا تھا کہ

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ (المائدہ)

تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ سخت مسلمانوں کی دشمنی اور عداوت میں یہود کو تم پاؤ گے۔

لیکن گذشتہ ادیان و ملل کے ساتھ قرآن اور قرآنی تعلیم کا جو تاریخی رشتہ تھا، اس رشتہ کو توڑ لینے پر تو قرآن کیا آمادہ ہوتا، وہ ان پرانے مذاہب کے ماننے والوں کے طرز عمل سے قطعاً بے پروا ہو کر اس رشتہ کو مضبوط اور استوار ہی کرتا چلا گیا، اور اس سے بھی وہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ عقلی مصلحت اندیشیوں کا قرآنی دعوت میں خدانخواستہ کچھ بھی دخل ہوتا تو عقل مشکل ہی سے اس عجیب و غریب طرز عمل کے باقی رکھنے کا مشورہ دے سکتی تھی لیکن قرآن تو واقعات اور صرف حقائق کا شارح تھا۔

جس تاریخی رشتہ کا گذشتہ مذاہب و ادیان کے ساتھ وہ مدعی تھا، یہی جب واقعہ تھا تو اس واقعہ

---

[1] ابن سعد طبقات جزء ہفتم حصہ اول ص۱۶۱

کے سوا آپ خود بتائیے آخر وہ ظاہر کیا کرتا۔

سچ پوچھئے تو قرآنی تعلیم کے اسی پہلو کا نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں نے ان کو بھی گلے لگایا، جوان سے قریب ہونے کے لئے آگے بڑھے، اور ان سے بھی وہ نزدیک ہی رہنے پر اصرار کرتے رہے، جو ان سے بھاگتے اور بھڑکتے رہے، وہ مسلمانوں کی، مسلمانوں کے پیغمبر کی، مسلمانوں کی کتاب کی توہین کرتے رہے، مضحکے اڑاتے رہے، لیکن مسلمان اس کے جواب میں ان کے پیغمبروں پر سلام ہی بھیجتے رہے، ان کی کتابوں کا احترام ہی کرتے رہے۔ ابتداء اسلام سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے اور یہی ہوتا رہے گا، یہودیوں کا جو جی میں آتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے رہتے ہیں لیکن یہودیوں کے انبیاء اور پیشواؤں کو مسلمان علیہم السلام کی دعاؤں ہی کے ساتھ یاد کرتے ہیں بلکہ داؤد و سلیمان جنہیں یہودی صرف اپنے سلاطین اور بادشاہوں میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن علیہ السلام کے اضافہ کے بغیر ان کا نام بھی مسلمان نہیں لیتے، قرآن نے ان کو یہی سکھایا ہے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو عرض کر چکا ہوں ان کا دینی رشتہ بہت زیادہ قوی ہے۔ یونان کے فلاسفہ سقراط و افلاطون ارسطو یا اطباء بقراط و جالینوس جیسی غیر دینی شخصیتوں کے متعلق لوگوں کو حیرت ہوتی ہے جب مسلمانوں کی عام کتابوں میں پاتے ہیں کہ ان کا ذکر بھی کافی احترامی الفاظ میں کیا جاتا ہے، خود ان کے نظریات ہی کو نہیں بلکہ جن نتائج تک یونانیوں کے طریقۂ فکر کی روشنی میں مسلمان پہنچے ہیں اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ بھی اس طریقہ سے کرتے ہیں، کہ گویا یونانی فلسفہ یا یونانی طب ہی کے مسائل میں اچنبھا ہوتا ہے کہ باوجود استفادہ کے قوموں کی عام ذہنیت جہاں یہ ہے کہ دوسروں کی سوچی ہوئی باتوں کو لوگ چاہتے ہیں کہ ان ہی کی طرف منسوب ہو جائیں، وہاں مسلمانوں میں اس کے برعکس یہ احترامی فراخ چشمیاں اور اعترافی ادا کیسے پیدا ہو گئیں؟۔

کے علمی حلقے تنگ نگاہی کے اس مرض کے بدترین شکاروں میں ہیں، سارے عقلی اور ذہنی علوم و [illegible] ادب، آرٹس یورپ والوں تک مسلمانوں ہی کے ذریعہ پہنچایا ہے، مسلمانوں کے توسط کے بغیر کسی علم یا فن کی صحیح تاریخی توجیہ ناممکن ہے لیکن یورپ کے اہل علم و قلم کا یہ التزام معلوم ہوتا ہے کہ غلطی سے بھی مسلمانوں اور ان کے خدمات کا ذکر ان کے زبان اور قلم پر آ ہی نہیں سکتا ہزار سال کی طویل مدت سے چھلانگ مار کر ان میں ہر ایک یونان

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ممکن ہے کہ اس کے اسباب کچھ اور بھی ہوں لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہ سب جو کچھ بھی ہے نتیجہ ہے قرآن کے اسی نقطۂ نظر کا جو دینی قوموں کے متعلق مسلمانوں کے اندر اس نے پیدا کر دیا ہے غیر دینی دائروں میں بھی ان کی اس موروثی عادت کے آثار اگر پائے جاتے ہیں تو جس قوم کی تربیت مسلمانوں کی اجتماعی نفسیات سے کی گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے کم از کم مجھے تو اس پر تعجب نہیں ہوتا۔ لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہوں

اس سلسلہ میں مسلمانوں پر جو ذمہ داری عائد ہو گئی ہے وہ حد سے زیادہ نازک ہے، بے احتیاطیاں افراط یا تفریط میں لوگوں کو مبتلا کرتی رہی ہیں، اور تو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان صحابیوں کی صحبت میں تربیت پانے والے جس زمانہ میں موجود تھے اسی زمانہ میں ایسی صورت حال پیش آ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنجھلا کر ایک دفعہ کہنا پڑا۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اس کو نقل کیا ہے یعنی عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ایک دن ابن عباس نے کہا۔

کیف تسئلون اھل الکتاب عن شیئ	مسلمانو! اہل کتاب سے تم کیسے پوچھتے ہو، حالانکہ
وکتابکم الذی انزل علی رسولہ احدث	تمہاری کتاب جسے اللہ نے اپنے رسول پر اتارا (یعنی قرآن)
تقرؤنہ محضا لم یشب وقد حدثکم	تازہ ترین کتاب ہے، (تم اس کتاب کو اس طور پر پڑھ
ان اھل الکتاب بدلوا کتاب اللہ	رہے ہو جو خالص حالت میں ہے، بیرونی آمیزش اس میں نہیں
وغیروہ وکتبوا بایدیھم الکتاب وقالوا	ہوئی ہے (اس کے مقابلہ میں خود قرآن میں اللہ تعالیٰ
ھو من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا	نے، تم کو خبر دی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو
ص ۱۰۹ ج ۲ (بخاری کتاب الاعتصام)	بدل دیا اور الٹ پلٹ دیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب
	لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں کی کتاب ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ورود پہنچ جاتا ہے اور سارے علوم و فنون کے شجرۂ نسب کا سلسلہ قدیم علمی تاریخ کے ان ہی دو دوزن گھوارون سے جوڑ دیا جاتا ہے مرحوم ڈاکٹر اقبال کا شعر "عہد نو با جلوہا آراستہ از غبار پائے ما برخاستہ" ہے تو یہ ایک ہی شعر لیکن مجلدات میں بھی جو تاریخ سما نہیں سکتی، ان کے ان دو مصرعوں میں سمٹ گیا ہے۔

تاکہ حاصل کریں اس کتاب کے معاوضہ تھوڑے دام

(یہ بھی قرآن ہی کی اطلاع ہے)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے میل جول پوچھ گچھ کے سلسلے میں کچھ لوگ یہاں تک بڑھ گئے تھے کہ تطہیر و تزکیہ کے قرآنی نصب العین کے متعلق جس غیر معمولی بیداری اور چونک کی ضرورت ہے اس سے ان میں کچھ لاپروائی سی ابن عباس کو نظر آئی کہ پیدا ہو رہی ہے، اسی لئے انھوں نے قرآن کے اسی نصب العین کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمانی کتابوں کا یہ جدید آخری ایڈیشن ہے اور ایسا اڈیشن ہے جو بیرونی آلائشوں سے قطعاً پاک ہے، برعکس اس کے اہل کتاب کی کتاب میں تغیر و تبدل سب کچھ ہو چکا ہے، چاہیے تو یہ کہ اپنے مشکوک و مشتبہ نسخوں کی تصحیح و تطہیر قرآن پر پیش کر کے وہ کریں لیکن برعکس اس کے ان ہی مشکوک نسخوں سے بعض مسلمانوں نے قرآنی مضامین کو سمجھنا چاہا یہ ایک بڑا خطرناک اقدام تھا بلکہ "قلب موضوع" کی صورت تھی۔ ابن عباس نے مسلمانوں کو شروع ہی سے اس معاملہ میں محتاط رہنے کا مطالبہ کیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ (متبعہا الرادفہ)

ندوۃ المصنفین کی جدید شاندار کتاب

عرب اور اسلام

"عرب اور اسلام" پروفیسر فلپ کے حتی کی شہرۂ آفاق انگریزی کتاب HISTORY OF THE ARABS کے خلاصے A SHORT HISTORY THE ARABS کا نہایت کامیاب اور شگفتہ ترجمہ ہے۔

.. خلاصے میں پروفیسر حتی نے خاص طور پر ایسے اجزا شامل کئے ہیں جن کے ذریعہ مغرب کو اسلام اس کی خدمات سے اور انسانیت پر اس کے احسانات سے روشناس کرایا جا سکتا تھا ۔ اس نے فی الحقیقت تاریخ نویسی اور حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کے مترجم پروفیسر سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے ہیں جو اس وقت نوجوان پروفیسروں میں صف اول کے مترجم سمجھے جاتے ہیں صفحات ۲۵۰ قیمت ... مجلد للعہ